مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۷ | شعبان/رمضان ۱۴۳۷ھ | جون ۲۰۱۶ء | شمارہ ۶

شکر المثنوی

کلمات تشکر بر تکمیل شرح المثنوی

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے زر سالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

شکر المثنوی

کلمات تشکر بر تکمیل شرح المثنوی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱......	سبب وعظ	۷
۲......	شکر کا مفہوم	۸
۳......	توحید ذاتی، صفاتی اور افعالی	۹
۴......	تین امہات مسائل	۱۰
۵......	اللہ تعالیٰ کا کمال غلبہ وقدرت	۱۱
۶......	آیت مبارکہ کے دقیق نکات	۱۲
۷......	اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل	۱۴
۸......	قہر کی دو قسمیں	۱۶
۹......	مستی روحانی اور مستی شہوانی میں فرق	۱۷
۱۰......	عذر گناہ بدتر از گناہ کا مفہوم	۱۸
۱۱......	اصرار معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی	۱۹
۱۲......	مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں	۱۹
۱۳.....	لفظ رحمت کا مفہوم	۲۰
۱۴.....	تھانہ بھون میں ریل جاری ہونے کی تاریخ	۲۰
۱۵.....	بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے نعمت پہنچنا	۲۱
۱۶.....	حافظ قرآن ہونا علم تفسیر میں معین ہے	۲۵

۱۷.....	نبوت نا قابل انقسام منصب ہے	۲۶
۱۸.....	رویائے صالحہ کے نبوت کے چالیسواں جزو ہونے کا مفہوم	۲۷
۱۹.....	مثنوی مولانا روم مضامین حقہ سے لبریز ہے	۲۸
۲۰.....	اہل کمال اور غیر اہل کمال کے غلبہ حال میں فرق	۲۹
۲۱.....	عارف رومی اور ان پر غلبہ حال	۳۰
۲۲.....	مثنوی کا ایک خاص کمال	۳۱
۲۳.....	صحت وفساد مذاق	۳۳
۲۴.....	حسن معنوی ایک ذوقی امر ہے	۳۳
۲۵.....	مثنوی سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت	۳۶
۲۶.....	کلید مثنوی لکھنے کا سبب	۳۷
۲۷.....	مولانا حبیب احمد صاحب کو مثنوی سے مناسبت	۳۸
۲۸.....	چھوٹی اور بڑی ہر نعمت پر اظہار شکر کی ضرورت	۳۸
۲۹.....	شارحین مثنوی کی شکر گزاری اور انہیں ہدیہ سے نوازنا	۳۹
۳۰.....	مولانا حبیب احمد صاحب کو مفتاح مثنوی کے لقب سے نوازنا	۴۰
۳۱.....	وعظ کا نام شکر المثنوی تجویز فرمانا	۴۱
۳۲.....	کلید مثنوی کی تکمیل پر تقسیم مٹھائی	۴۲
۳۳.....	آیت متلوہ کی عجیب وغریب تفسیر	۴۳
۳۴.....	حق تعالیٰ شانہ کے ہر امر میں حکمت ومصلحت ہوتی ہے	۴۶
۳۵.....	خاتمہ بر دعائے خیر	۴۹

وعظ

شکر المثنوی

کلمات تشکر بر تکمیل شرح المثنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں کتاب شرح مثنوی کی تکمیل کے موقع پر ایک جلسہ ۴/شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ کو منعقد کیا گیا اس موقع پر حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے شرح مثنوی کی تکمیل کی مناسبت سے خطاب فرمایا جس کو حضرت مولانا احمد کیرانوی صاحب نے قلم بند فرمایا۔ حضرت تھانوی کے مخاطب چونکہ بڑے بڑے علماء تھے اس لئے وعظ میں دقیق مسائل بیان کئے گئے ہیں علماء کے افادہ کے پیش نظر اس کو شائع کیا جارہا ہے اگر اس وعظ کے بعض مضامین عوام کی سمجھ میں نہ آئیں تو وہ پریشان نہ ہوں اور مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے پر عمل کریں۔ ”وعظ پڑھنے والے کی سمجھ میں جو بات نہ آئے کسی عالم سے سمجھ لے۔ اگر عالم میسر نہ ہو تو یہ سمجھے کہ یہ علماء کے سمجھنے کی بات ہے۔ جتنی میرے لئے مفید تھی وہ میری سمجھ میں آ گئی۔ اس کے مطابق عمل کرے۔ خطاب میں چونکہ جس قسم کے لوگ ہوتے ہیں خطیب ان کی مناسبت سے مضامین بیان کرتا ہے۔

خلیل احمد تھانوی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰه نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰه فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰه وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰه تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

﴿مَا يَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمۡسِكۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡ ۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾(۱)

سبب وعظ

ایک عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ مثنوی کی شرح کی ضرورت ہے اس لئے اس کے تمام دفتروں (۱) کی شرح ہونی چاہیے، اس لئے میں نے اس کا کام شروع کیا اور جس طرح ہوسکا دفتر اولیٰ اور دفتر ششم (۲) کی شرح کی، باقی دفتروں کی شرح کا سرانجام چونکہ بعض عوائق (۳) کی وجہ سے مجھ سے بلا استعانت نہ ہوسکتا تھا ،اس لئے میں نے اس کی تکمیل میں اپنے بعض احباب سے مدد لی اور

(۱) اللہ جو رحمت (بارش وغیرہ) لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کردے سو اس کے بند کرنے کے بعد کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے (سورہ فاطر:۲)

(۱) سب حصوں کی (۲) پہلے اور چھٹے حصہ کی (۳) بعض مجبوریوں کی وجہ سے بغیر دوسرے کی اعانت نہیں ہوسکتا تھا۔

بحمد اللہ اب مکمل ہوگئی چونکہ یہ انعام تھا حق سبحانہ کی طرف سے اور ہر نعمت شکر کو مقتضی ہوتی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ حق سبحانہ کے اس انعام کا شکریہ ادا کیا جاوے، پس یہ جلسہ اس کے شکر کے لئے منعقد کیا گیا ہے (جس میں تداعی (۱) واہتمام وغیرہ کو دخل نہیں) لیکن جو آیت اس وقت اختیار کی گئی ہے، اس پر بادی النظر میں عدم مناسب (۲) مقصود جلسہ کا شبہ ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں بیان ہے حق سبحانہ کے (تفرد بالغلبة والقدرة والحکمة) (۳) کا جس کو شکر سے بظاہر کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی اس لیے قبل اس کے کہ نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت متلوہ مقصود جلسہ سے بے تعلق نہیں ہے (۴) بلکہ اس کو اس سے ایک غامض (۵) اور باریک تعلق ہے۔

شکر کا مفہوم

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شکر کے معنی ہیں مُنعَم (۶) کے انعام کے جواب میں مُنعِم (۷) کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے، کوئی ایسا فعل کرنا جس سے مُنعَم کی عظمت (۸) ظاہر ہوتی ہو، پس اس وقت ہمارا حق سبحانہ کے انعام کے جواب میں اس آیت کا تلاوت کرنا جو کہ اس کی توحید صفاتی پر دلالت ہے اور اس کی ''تفرد بالقھر والغلبة والقدرة والحکمة'' (۹) کا دل اور زبان سے اقرار کرنا۔ اس کلیے کا ایک فرد، اس مقسم کی ایک قسم ہوگا اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ

(۱) لوگوں کو دعوت دیکر بلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا (۲) سرسری نظر میں اس آیت کو مضمون سے مناسبت معلوم نہیں ہوتی (۳) کیونکہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا ذکر ہے (۴) جس آیت کی تلاوت کی گئی ہے وہ جلسہ مذکورہ سے بالکل بے تعلق نہیں ہے (۵) ناقابل فہم بہت دقیق تعلق ہے (۶) انعام کنندہ (۷) جس پر انعام کیا گیا ہو (۸) انعام کرنے والے کی عظمت کا اظہار ہو (۹) جبر وغلبہ قدرت وحکمت کا وہی مالک ہے اس کا دل سے اقرار کرنا۔

صرف اسی آیت کا نہیں بلکہ ہر ایسی آیت جس سے حق سبحانہ کی توحید اور عظمت وجلالت شان ظاہر ہو اس کا تعلق شکر سے ہے اس سے نہایت واضح طور پر آیت متلو کا تعلق مقصد جلسہ سے ظاہر ہو گیا۔ اب نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس آیت کا تعلق اپنی ذات کے اعتبار سے توحید سے ہے کیونکہ اس میں بیان ہے ''تفرد بالقدرة والغلبة والحكمة '' کا جو کہ اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے بھی توحید صفاتی کا فرد ہے۔

توحید ذاتی، صفاتی اور افعالی

کیونکہ اس سے قبل حق سبحانہ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(۱)

اس میں انہوں نے اپنی ان صفات وافعال کا بیان کیا ہے جو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں پس اس کا تعلق توحید صفاتی وتوحید افعالی دونوں سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾(۲)

اس میں توحید ذاتی وتوحید صفاتی وتوحید افعالی تینوں کا بیان ہے پس ان تینوں کا تعلق توحید سے ہے یہاں توحید کے بعد حق سبحانہ نے مسئلہ رسالت کو بیان

(۱) ''تمام تر حمد اسی اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' سورہ فاطر:۱ (۲) ''اے لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو (شکر کرو اور غور کرو) کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو سو تم (شرک کرکے) کہاں الٹے جا رہے ہو'' سورہ فاطر:۳۔

فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ﴾ (۱)

یہ اس کے بعد معاد (۲) کا بیان فرمایا ہے۔

تین امہات مسائل

اور ارشاد فرمایا ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ٝ وقفة وَلَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ﴾ (۳)

یہ تینوں مسئلے امہات (۴) مسائل میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن پاک میں ان تینوں کو نہایت شرح وبسط (۵) کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ان پر زبردست براہین (۶) قائم کی ہیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جابجا تنبیہ کی ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ تینوں مسئلے اصل ہیں اور باقی مسائل ان کی فروع۔ اور یہ مضمون بالکل ٹھیک ہے جو شخص بامعان نظر قرآن (۷) کریم کا مطالعہ کرے گا، اس کو اس کی قدر ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کرے گا، ان تینوں میں سب سے اہم مسئلہ توحید ہے، اس کے بعد مسئلہ رسالت، اس کے بعد مسئلہ معاد (۸) اس لئے حق سبحانہ نے اس مقام پر اول مسئلہ توحید کو بیان فرمایا، اس کے بعد مسئلہ رسالت کو، اس کے بعد مسئلہ معاد کو۔ اس گفتگو کا تعلق تو نوعیت مضمون آیت سے تھا اب اس کا مضمون شخصی بیان کیا جاتا ہے اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہ نے: ﴿مَا یَفۡتَحِ

(۱) ''اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو جھٹلایا گیا ہے تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے اور سب کافر اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں، یعنی سب امور اللہ کے روبرو پیش کیے جائیں گے'' سورہ فاطر:۴ (۲) آخرت کا بیان ہے (۳) ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان دھوکہ میں ڈال دے'' سورہ فاطر:۵ (۴) سب مسائل کی اصل ہیں (۵) تفصیل وضاحت کے ساتھ (۶) دلائل (۷) گہری نظر سے (۸) آخرت۔

اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ ﴾ اللہ جو رحمت بارش وغیرہ لوگوں کے لئے کھول دے، فرمایا ہے جس میں انہوں نے کلمہ ''مـا'' استعمال فرمایا ہے جو ابہام کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے پھر اس ابہام کی توضیح میں من رحمۃ فرمائی ہے۔

پس حاصل اس جملہ کا یہ ہوگا کہ حق سبحانہ جس رحمت کو بھی کھولدیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کمال غلبہ وقدرت

اس سے حق تعالیٰ سبحانہ کا کمال قدرت وغلبہ ظاہر ہوا اور معلوم ہوگیا کہ اس سے بڑھ کر کوئی قوت اور قدرت والا نہیں جو اس کا مزاحم (۱) ہوسکے اور گو واقعی طور پر اس پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا مگر سطح نظر میں اور محض احتمال عقلی کے طور پر شبہ ہوسکتا تھا اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ فتح حق سبحانہ (۲) کے بعد کوئی روکنے والا نہیں لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے روکنے کے بعد کوئی کھول بھی نہیں سکتا اس لئے حق سبحانہ نے اس احتمال کو ہی دفع کردیا اور فرمایا: ﴿وَمَا يُمْسِكْ لا فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ ﴾ یعنی جس کو وہ روک لیں اس کو کوئی چھوڑنے والا بھی نہیں۔ اب یہی ایک احتمال عقلی باقی تھا وہ یہ کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس کے فتح امساک کے بعد اس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود فتح وامساک کی حالت میں بھی اس کا کوئی مزاحم ہوسکتا ہے یا نہیں، اس احتمال کے اٹھانے کے لئے فرمایا وَهُوَ الْعَزِيْزُ یعنی عزت وغلبہ عین منحصر ہیں اس کی ذات میں، اور وہی ہر حیثیت سے سب پر غالب ہے اس پر کسی طرح بھی کوئی غالب نہیں۔ اب تمام احتمالوں کا خاتمہ ہوگیا اور اس کا تفرد بالغلبۃ (۳) باکمال وجہ ظاہر ہوگیا یہ تو ہوگیا مگر اس پر ایک شبہ

(۱) مدمقابل ہوسکے (۲) اللہ کے کھولنے کے بعد (۳) صرف اللہ ہی کا غالب ہونا درجہ کمال میں ثابت ہوگیا۔

اور ہوسکتا تھا وہ یہ کہ جب اس کو ایسی قدرت اور قوت حاصل ہے اور اس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا تو شاید اس کی بھی وہی حالت ہو، جو باقتدار انسانوں کی ہوتی ہے کہ بلالحاظ مصلحت ومنفعت جو جی میں آیا کر بیٹھے، اس کے دفع (۱) کے لئے الحکیم بڑھادیا اور ظاہر کردیا کہ ہمارے افعال لا ابالی حکام وسلاطین کے سے نہیں بلکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہم کو مصلحت وحکمت ملحوظ ہوتی ہے۔ سبحان الذی تکلم بھذا الکلام البلیغ الدقیق الاسرار (۲)۔

آیت مبارکہ کے دقیق نکات

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ جملہ ﴿مَا يُمْسِكْ لا فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ﴾ (اور جس کو بند کردے سو اس کے (بند کرنے کے بعد) اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں) اور ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (اور وہی غالب حکمت والا ہے) یہ دونوں جملے تاکید میں مضمون ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ (اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے) کئے کہ جن سے مقصود تمام اوہام وشکوک کو زائل کرکے اپنی کمال قدرت وحکمت کا ظاہر کرنا ہے جو اصل مقصود ہے اس آیت کا۔ تو یہ بیان تھا حق سبحانہ کے عموم وکمال قدرت کا جو کہ اب آیت سے مقصود ہے، اس لئے سنئے کہ رحمت کے لغوی معنی رقت قلب اور نرم دلی ہیں، حق سبحانہ چونکہ دل اور نرمی سے جو کہ ایک خاص قسم کا تاثر اور انفعال ہے پاک اور منزہ ہیں اس لئے یہ لفظ اس مقام پر یا جہاں کہیں وہ حق سبحانہ کے لئے استعمال کیا جاوے، جیسے رحمٰن رحیم وغیرہ اپنے معنی لغوی میں مستعمل نہیں ہوسکتا بلکہ مجازاً بعلاقہ سببیت اثر رقت قلب (۳) یعنی

(۱) اس اشکال کو دور کرنے کے لئے (۲) پاک ہے وہ ذات جس نے ایسا بلیغ اسرار ورموز پر مبنی کلام فرمایا ہے (۳) رقت قلب کا جو چیز اثر وسبب ہوتی ہے یعنی انعام واحسان وہ اس جگہ مراد ہوگا۔

فضل وانعام واحسان مراد ہوگا۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق سبحانہ نے ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے فرمایا اور من خیر نہیں فرمایا حالانکہ مطلب من خیر کا بھی وہی ہے جو من رحمت کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں اشارہ ہے اس طرف کہ حق سبحانہ کے تمام انعامات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں (۱) اور یہ اشارہ لفظ خیر میں نہ تھا اس لئے اس کے بجائے اس کو اختیار کیا چونکہ اس مضمون کو سن کر کہ حق سبحانہ کے تمام احسانات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں کسی کو خلجان ہوتا اس لئے میں اس کو بھی زائل کئے دیتا ہوں یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حق سبحانہ کے انعامات کو بندوں کے انعامات کے مماثل سمجھا گیا ہے (۲) اور اپنی طاعت کو طاعت عباد (۳) کی مانند خیال کیا گیا لیکن خود یہ قیاس ہی غلط ہے کیونکہ آدمی جب بندہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنے قوی اور اعضاء وغیرہ کو ایک ایسے شخص کے کام میں لگاتا ہے جو اس کے مملوک ومصنوع ہیں (۴) اور اس لئے اس کو ان سے انتفاع کا کوئی حق بھی نہیں ہے اس بناء پر خادم مخدوم سے معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ سبحانہ کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے تو وہ خود حق سبحانہ کی مملوک چیزوں کو اس کے کام میں لگاتا ہے اور وہ خود بھی حق سبحانہ کا مملوک ہے، ایسی صورت میں وہ اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہوسکتا (۵) کیونکہ مملوك من حيث هو مملوك کا مالک پر کوئی حق نہیں یہ مضمون آپ کی سمجھ میں یوں آسانی سے آجائے گا کہ جب کوئی شخص کسی

(۱) جس پر انعام کیا گیا بلا اسکے استحقاق کے کیا ہے (۲) انسانوں کے انعام کی طرح (۳) بندوں کی اطاعت گذاری کی طرح سمجھا ہے (۴) اپنی قوتوں اور اعضاء کو دوسرے کی خدمت میں صرف کرتا ہے جس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے، اس لئے اس خدمت کا معاوضہ طلب کرتا ہے (۵) بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ اپنے اعضاء اور قوی کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول کرتا ہے تو کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ یہ سب اعضاء اور قوتیں اللہ ہی کی ملک ہیں۔

کی ملازمت کر لیتا ہے تو اب وہ من حیث الخدمت اس کا مملوک ہوجاتا ہے(۱) خواہ عارضی ہی طور پر سہی، پس جب وہ کوئی اپنا فرض منصبی انجام دیتا ہے تو اس کے معاوضہ میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، ایسی حالت میں اگر آقا اس کی خدمت کا کوئی صلہ دے تو وہ اس کا انعام اور احسان سمجھا جاتا ہے اور اپنی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کیا جاتا ہے، پس جب کہ اس کمزور اور برائے نام ملک کا یہ اثر ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ملک حقیقی پر اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کیا حق رکھ سکتا ہے اب ہم کو یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ بندہ حق سبحانہ کا مملوک محض ہے(۲) اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز کسی کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے، کیونکہ وہ ابتداء میں معدوم محض اور اپنے تمام کمالات حتیٰ کہ اپنی ہستی سے بھی عاری تھا(۳) ایسی حالت میں اس کی کوئی چیز خود اس کی ذاتی کیسے ہوسکتی ہے، پس لامحالہ اس کی تمام چیزیں کسی دوسرے کی مملوک ہیں اور خدا کے سوا اگر کوئی اس کے مالک ہونے کا مستحق ہوسکتا ہے تو اس کے ماں باپ ہوسکتے ہیں، کیونکہ ان سے زیادہ اس کی ہستی میں کسی کو دخل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اسی دخل کی بناء پر بعض لوگوں کو شبہ ہوگیا اور وہ اپنا خالق اپنے ماں باپ کو سمجھ بیٹھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل

چنانچہ جس زمانہ میں میرے ماموں منشی شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانے میں ایک انسپکٹر مدارس مدرسہ میں امتحان کے لئے آئے، اثنائے(۴) امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب کے خلاف سوال کیا کہ

(۱) کیونکہ اس نے اپنی خدمات اس کو فروخت کر دیں اور وہ ان کا مالک ہے اس لئے اب اس خدمت پر مزید معاوضہ کا مستحق نہیں ہے (۲) بندہ اللہ ہی کی ملک ہے (۳) فارغ تھا (۴) دوران امتحان۔

بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے، لڑکے بیچارے کیا جواب دیتے وہ تو خاموش رہے، ماموں صاحب نے فرمایا کہ جناب مجھ سے پوچھئے میں جواب دوں گا، انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے، انہوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجئے، ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تم معدوم (۱) تھے اور اب موجود ہو اور ہر حادث (۲) کے لئے کوئی علت ہونی چاہیے وہ علت خدا ہے، اس نے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے نہ کہ خدا نے، ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا، اس نے کہا کہ ان کے ماں باپ نے، ماموں صاحب نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو الی غیر النہایۃ (۳) یوں ہی سلسلہ چلا جاوے گا یا جا کر ختم ہوگا۔ پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔ دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑے گا، اس کا اس سے کچھ جواب نہ آیا اور اس نے کہا کہ آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں، لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں، غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے۔ پھر کہا کہ اچھا اگر خدا ہے تو آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہماری آنکھ درست کر دے، یہ انسپکٹر کانا تھا، ماموں صاحب نہایت ظریف تھے، انہوں نے کہا بہت بہتر ہے ابھی کہتا ہوں یہ کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انسپکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس

---

(۱) پہلے تمہارا وجود نہیں تھا اب ہے (۲) ہر پیدا ہونے والے کے لئے کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے سو وہ خدا تعالیٰ ہے (۳) یہ دو حال سے خالی نہیں یا اس سلسلے کی کہیں انتہاء نہیں ہوگی تو یہ تسلسل ہوگا جو محال ہے اگر کہیں ختم ہوگا تو خدا کے وجود کو ماننا پڑے گا۔

کو دو آنکھیں عطا کی تھیں، اس نے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اس پر غصہ آیا ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوائے، جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے، اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ خراب لکھ گیا، اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہو گیا۔

قہر کی دو قسمیں

یاد رکھو کہ حق سبحانہ کا قہر (۱) دو طرح کا ہوتا ہے، کبھی تو صورتاً بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے، یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے (اعاذنا اللہ منہ) کیونکہ اس میں توبہ اور انابت الی الحق (۲) کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لئے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو اس وقت ہو جبکہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہے تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہ کی طرف کیسے رجوع ہوگا، بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، اور ان کے ذوق وشوق واحوال ومواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اس کو صدمہ نہیں پہنچتا اس سے وہ معاصی پر اور دلیر ہو جاتے ہیں واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ نسبت احوالِ مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے، جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہ سے (۳) اور حق سبحانہ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہے۔ احوال

(۱) اللہ کا غضب (۲) رجوع الی اللہ (۳) اطاعت گذار بندے کو اللہ سے اور اللہ کو بندے سے ہوتا ہے

مواجید سو یہ غالب احوال میں اس تعلق کی امارات [۱] ہوتی ہیں کہ نہ وہ عین تعلق خاص ہیں اور نہ اس تعلق کو مستلزم ہیں [۲] اور اگر بالفرض احوال واذواق ہی کو تعلق مع اللہ یا اس کو مستلزم کہا جاوے تو اس سے صرف یہ لازم آئے گا کہ اس کو خدا کے ساتھ تعلق ہے، اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خدا کو بھی اس سے تعلق ہو پس ایسے سالک کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طالب علم سے کسی نے پوچھا کہ تمہاری شادی ہوگئی یا نہیں، اس نے جواب دیا آدھی ہوگئی اور آدھی نہیں ہوئی، اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا کہ فلاں شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے تراضی طرفین کی ضرورت [۳] ہے سو میں تو رضامند ہوں، مگر وہ رضامند نہیں، پس جس طرح اس طالب علم کی رضامندی بغیر شہزادی کی رضامندی کے بے سود اور کالعدم تھی یونہی اس سالک کا تعلق بغیر حق سبحانہ کے تعلق کے بیکار ہے۔

مستی روحانی اور مستی شہوانی میں فرق

پس خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت [۴] مع اللہ ہرگز باقی نہیں رہ سکتی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ایک مقام پر مہمان گیا، میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے ہم نے ایک مسجد میں سونے کا ارادہ کیا، اتفاق سے اس روز محلّہ میں گانا بجانا بھی ہورہا تھا، مجھ کو آواز پہنچی میں نے سونے کے لئے دوسری جگہ تجویز کی، مگر میرے ساتھی مسجد ہی میں رہے، صبح کو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ رات جس قدر میرا نوافل میں جی لگا ہے اور جس قدر مجھے مزہ آیا ہے اتنا کبھی نہیں آیا، محلّہ سے گانے بجانے کی آوزیں آرہی تھیں جس سے ذوق وشوق کو حرکت ہورہی تھی اور میں اسی

(۱) علامات (۲) اسی تعلق کے لئے لازمی (۳) دونوں کے رضامند ہونے کی (۴) گناہوں پر اصرار کے ساتھ نسبت مع اللہ نہیں ہوسکتی۔

ذوق وشوق میں نماز پڑھ رہا تھا اور مجھ پر ذوق وشوق کا ایسا غلبہ تھا کہ خطرات بالکل دفع ہوگئے تھے، میں نے کہا کہ جناب یہ تو صحیح ہے کہ خطرات بالکل دفع ہوگئے تھے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ وہ کس چیز سے دفع ہوئے تھے اور مستی ذوق وشوق کس چیز کی تھی، یہ مستی روحانی نہ تھی بلکہ شہوانی تھی جو راگ باجے سے منبعث (۱) ہوئی تھی پس دافع خطرات خود خطرات سے زیادہ خطرناک (۲) تھا ایسی حالت میں یہ اندفاع خطرات کیا قابل قدر ہوسکتا ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی کے بچھو کاٹ لے اور وہ رفع تکلیف کے لئے سانپ سے کٹوالے ایسا کرنے سے وہ تکلیف تو ضرور جاتی رہے گی مگر جان کے لالے پڑجائیں گے۔ پس یہ کہنا کہ گانے سے خطرات دفع ہوگئے تھے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ (۳)

عذر گناہ بدتر از گناہ کا مفہوم

اسی مثال پر ایک حکایت یاد آئی، وہ ہے تو غیر مہذب مگر موضوع خوب ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملّا دو پیازہ سے بادشاہ نے پوچھا کہ ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' (گناہ کا عذر گناہ سے زیادہ برا ہے) کے کیا معنی ہیں انہوں نے اس وقت اس کا جواب نہیں دیا اور موقع کے منتظر رہے ایک روز بادشاہ آگے آگے جارہے تھے، پیچھے سے ملّا نے ان کی پشت میں انگلی سے اشارہ کردیا اس نے منہ موڑ کر دیکھا اور تیز لہجہ میں کہا یہ کیا نالائق حرکت، ملّا نے جواب دیا کہ قصور معاف ہو میں سمجھا کہ بیگم صاحبہ ہیں، اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہوا (۴)، تب ملّا نے کہا کہ یہ معنی ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ کے۔ اس طرح ان صاحب کے یہ عذر کہ مجھ کو خطرات بند ہوگئے اسی مثل کا مصداق ہے۔

---

(۱) جو گانے بجانے سے پیدا ہوئی تھی (۲) جس کی بنا پر وساوس نہیں آئے وہ خود ان وساوس سے زیادہ خطرناک تھا (۳) گناہ کا ارتکاب کرکے اس گناہ کے جواز کے لئے جو عذر پیش کیا ہے وہ اس گناہ سے بھی بدتر ہے (۴) غصہ ہوا۔

اصرار معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی

خلاصہ یہ ہے کہ اصرار بر معصیت (۱) کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور ذوق وشوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے، وہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے (۲) جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہیے اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے۔

مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

جیسے اس منکر توحید کو پیش آیا (۳) ہاں ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر خدا کے سوا کسی پر مالک ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو ماں باپ پر ہوسکتا ہے جیسے اس منکر نے اپنی بکواس میں کہا تھا۔ لیکن ماں باپ بھی مالک نہیں ہوسکتے کیونکہ گو ان کو ان کی ہستی میں گونہ دخل ضرور ہے مگر وہ اس کے خالق نہیں ہوسکتے اس لئے کہ یہ امر مشاہد ہے کہ اس کے وجود میں ان کے اختیار کو کچھ دخل نہیں چنانچہ بہت لوگ عمر بھر اولاد کے متمنی رہتے ہیں اور اولاد نہیں ہوتی اور بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد نہ ہو مگر ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ماں باپ کو بچے کی ہستی میں محض برائے نام دخل ہے اور مؤثر حقیقی اور مفیض وجود فقط سبحانہ ہیں (۴) پس وہ ہی اس کی تمام چیزوں کے مالک ہوں گے اور جب وہ مالک ہیں تو بندہ کو اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کچھ استحقاق نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم بیشتر اس کی تفصیل کرچکے اور جب کہ اس کا کوئی استحقاق نہیں تو حق سبحانہ کے انعامات اس کا فضل محض ہوں گے اس لئے بجائے من خیر کے من رحمۃ فرمایا ہے۔ یہاں تک معلوم ہوگیا کہ رحمت سے مراد انعام خداوندی اور اس کا فضل

(۱) گناہ پر اصرار کے ساتھ اللہ کے ساتھ تعلق قائم نہیں رہتا (۲) غضب الٰہی بشکل مہربانی ہے (۳) جس کا قصہ ماقبل گذرا ہے (۴) وجود بخشنے والی ذات صرف اللہ پاک ہیں۔

واحسان ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لفظ رحمت کو لفظ خیر پر کیوں ترجیح دی گئی۔

لفظ رحمت کا مفہوم

اب ہم رحمت وفضل واحسان وانعام وارد فی الآیۃ (۱) کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں رحمت عام ہے، صحت، امن، علم، عمل، غرض کہ ہر مفید چیز کو خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حتیٰ کہ روح المعانی نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شغدف بھی (۲) رحمت ہے کیونکہ اس سے سفر میں راحت پہنچتی ہے مگر لوگ معمولی چیزوں کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ صرف بڑی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں جو کہ بڑی مشقتوں کے بعد ملتی ہے۔ اسی لئے وہ چھوٹی نعمتوں پر شکر ہی نہیں کرتے، یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے میں جس زمانہ میں تفسیر لکھ رہا تھا اسی زمانے میں شاید سہارنپور ریلوے تیار ہورہی تھی حسنِ اتفاق سے جس روز میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی روز ہماری عیدگاہ کے سامنے پٹڑی بچھائی جارہی تھی اس وقت مجھے عروہ رضی اللہ عنہ کا قول دیکھ کر خیال ہوا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے اور وہ بھی رحمت میں داخل ہے۔

تھانہ بھون میں ریل جاری ہونے کی تاریخ

پس میں نے اس مقام پر اس واقعہ کا بھی تذکرہ حاشیہ میں کردیا اور ریل کے تھانہ بھون پہنچنے کی تاریخ بھی لکھ دی تاکہ بیک کرشمہ دوکار ہوجاوے۔ آیت کی تفسیر بھی ہوجاوے اور تاریخ بھی منضبط ہوجاوے، اب اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ ریل تھانہ بھون میں کب جاری ہوئی ہے، تو میں کہتا ہوں کہ میری تفسیر دیکھ لو وہ

(۱) آیت میں مذکور لفظ کی شرح کرتے ہیں (۲) اونٹ کی سواری میں ٹیک لگانے والی کاٹھی۔

متحیر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو تفسیر سے کیا مناسبت ہے تو میں ان سے واقعہ بیان کر دیتا ہوں، میں ریل کے نعمت ہونے کی ایک سند ایک بڑے شخص سے بھی رکھتا ہوں، جب میری عمر ۱۴ برس کی ہوگی اس زمانہ میں مولانا شیخ محمد صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک وعظ میں آپ نے فرمایا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے گو دوسروں کی بنائی ہوئی ہے۔

بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے نعمت پہنچنا

کیونکہ نعمت بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے پہنچتی ہے، شاید کسی کو سن کر استعجاب ہو اس لئے میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے (ان اللّٰہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر)[1] "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایک فاسق فاجر شخص کے ذریعہ کرے گا" پس جب کہ کافر کے ہاتھ سے دین کی تائید واقع ہے تو کفار کے ہاتھ سے دنیوی نعمت کا پہنچنا کیوں مستبعد[2] ہے اس مقام پر ایک حکایت یاد آ گئی ایک شیعی نے ایک عالم سے کہا آپ لوگ حضرت عمرؓ کی اشاعت اسلام پر فخر کرتے ہیں اور اس کو ان کے کامل مسلمان ہونے کی دلیل بتاتے ہیں، حالانکہ اس سے ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ان اللّٰہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر)[3] "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایک فاسق فاجر شخص کے ذریعہ کرے گا" اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جس دین کی وہ مدد کرے گا، وہ دین اسلام اور دین حق ہوگا اب اگر تم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا مصداق بناتے ہو تو اس سے اتنا تو لازم آیا کہ انہوں نے دین الٰہی میں مدد کی ہے اب یہ دیکھ لو کہ جس دین کی انہوں نے مدد کی ہے، وہ شیعوں کا دین ہے یا

(۱) الصحیح للبخاری: ۴/ ۸۸، الصحیح لمسلم کتاب الایمان: ۱۷۸ (۲) کیا بعید ہے (۳) الصحیح للبخاری: ۴: ۸۸، الصحیح لمسلم کتاب الایمان: ۱۷۸۔

سنیوں کا تم ضرور یہی کہو گے کہ سنیوں کا۔ پس سنیوں کے مذہب کا حق ہونا، ثابت ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دین بھی یہی تھا لہٰذا ان کا مسلمان اور کامل الایمان ہونا بھی ثابت ہوگیا، یہ سن کر وہ شیعی صاحب مبہوت ہوگئے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ ریل بھی رحمت میں داخل ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس بناء پر اگر یوں کہا جاوے کہ من جملہ اور نعمتوں کے ریل کا ذکر بھی قرآن میں ہے، تو ایک حد تک صحیح ہے اور یہ امر کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اجمالی ذکر کا انکار محض بلاوجہ ہے اس کا اجمالی ذکر صرف اسی آیت میں نہیں ہے، بلکہ دوسرے علماء نے اور آیات میں بھی اس کو داخل کیا ہے۔ مثلاً حق سبحانہ مراکب (۱) کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں: ﴿وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ’’اور وہ ایسی چیزیں بناتا ہے جس کی تم کو خبر بھی نہیں‘‘ اس آیت کے عموم میں ریل بھی داخل ہے، کیونکہ اوپر سے سواری اور باربرداری کے جانوروں کا تذکرہ آرہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ط اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۲)

گویا حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایجاد ریل کی خوشخبری بھی سنادی اور حاصل یہ ہوا کہ مذکورہ بالا سواری اور باربرداری کے جانور تو ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے ہیں، ان کے علاوہ ہم ایک اور باربرداری کی (ریل) پیدا کریں گے جس کا اب تم

(۱) سواریوں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔ (۲) ’’اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ شام کے وقت لاتے ہو اور صبح کے وقت چھوڑتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں، جہاں تم بدوں جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے تھے، واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی وہ ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں‘‘ سورۃ النحل: ۶ تا ۸۔

کو علم بھی نہیں ہے، اس سے کسی قدر زیادہ واضح طور پر اس کو ایک مقام پر ذکر فرمایا ہے: چنانچہ فرمایا ہے ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ (۱) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں''

خیر تو جبکہ ریل اور شغدف وغیرہ نعمائے دنیویہ بھی رحمت میں داخل ہیں تو نعمائے اخرویہ مثل علم وغیرہ بالائے، اس رحمت میں داخل ہوں گے خصوص علم کا عموم رحمت میں داخل ہونا ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام پر اپنے انعام واحسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (۲)

اس سے علم کا ایک رحمت کبریٰ اور موہبت عظمیٰ ہونا ظاہر ہے (۳)

پس حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ رحمت ہر مفید چیز کو شامل ہے، خواہ دنیوی ہو یا دینی اور چھوٹی ہو یا بڑی۔ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہے

اسی بناء پر حق سبحانہ نے بعض جگہ اپنے کلام میں نبوت کو جو کہ اکمل فرد ہے (۴) علم کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ ﴾ (۵)

---

(۱) سورۂ یٰسین: ۴۱،۴۲ اس سے دوسری تمام سواریوں کا ثبوت بھی ہو گیا جیسے گاڑیاں ٹرک، ہوائی جہاز وغیرہ (۲) ''سو وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے (حضرت خضر علیہ السلام) جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت یعنی مقبولیت دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے خاص طور پر علم سکھایا تھا'' سورۃ الکھف: ۶۵ (۳) علم کا بہت بڑی رحمت اور بہت بڑا عطیہ ہونا ثابت ہوا (۴) علم کی سب سے کامل قسم ہے (۵) ''کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے مابین ان کی معیشت تقسیم کی'' سورۃ الزخرف: ۳۲۔

تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو علاوہ اور اعتراضوں کے کفار نے کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا اور اس کو کیوں نہ نبی بنایا گیا، حق سبحانہ ان کے اس قول کو نقل فرما کر اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی رحمت یعنی نبوت کو کیا یہ لوگ اپنی تجویز سے تقسیم کرتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کیونکہ سامان معیشت سی ادنیٰ چیز کو تو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کی تقسیم کا انکو اختیار نہیں دیا ہے۔ نبوت جیسی عظیم الشان شی کو یہ خود کیوں تقسیم کریں گے اور ان کو اس کے تقسیم کا کیا حق ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہوا ہے تو اس سے ایک دوسری آیت کی تفسیر بھی ہوگئی اور ایک بڑا معرکۃ الارا مقام حل ہوگیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴾(۱)

اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی رسالت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی۔ یہ بیچ میں انسان کے بخل کا ذکر کیسے آگیا۔ مفسرین نے اس کے متعلق کوئی تسکین بخش بات نہیں لکھی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی شافی بات نہیں لکھی لیکن جب کہ رحمت سے نبوت مراد لی جاوے اس وقت آیت مذکورہ بے تکلف اپنے ماقبل و مابعد سے مرتبط ہو جاوے گی۔

---

(۱)''آپ ﷺ فرمادیجئے کہ تم لوگ میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم (اس کے) خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور آدمی ہے بڑا تنگ دل''الاسراء:۱۵۵۔

حافظ قرآن ہونا علم تفسیر میں معین ہے

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مفسر کے لئے علاوہ دیگر شرائط کے حافظ ہونا بھی بہت معین ہے کیونکہ ’’القرآن بعضه یفسر بعضاً‘‘ (قرآن کا بعض حصہ بعض حصہ کی تفسیر بیان کرتا ہے) مسلم ہے پس حافظ کی نظر چونکہ پورے قرآن پر ہوتی ہے اس لئے جس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ مقصود آیت کی توضیح وہ کرسکتا ہے اس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ غیر حافظ نہیں کرسکتا کیونکہ وہ تفسیر کے وقت ایک مضمون کی تمام آیتوں کو ذہن میں مستحضر کرے گا، اس کے بعد تفسیر کریگا برخلاف غیر حافظ کے اس کی نظر صرف ایک ہی آیت تک محدود ہوگی اور وہ جو کچھ سمجھے گا، اسی ایک آیت سے سمجھے گا۔ البتہ غیر حافظ مولویوں کے لئے تفسیر ابن کثیر زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اس مضمون کی تمام آیتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں اس کے بعد تفسیر کرتے ہیں لیکن جس قدر تفسیر ابن کثیر سے غیر حفاظ مولویوں کے لئے آسانی ہوتی ہے اسی قدر بخاری کی کتاب التفسیر سے ان کو پریشانی بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا ہے کہ جس سورت یا آیت کی تفسیر کے لئے انہوں باب منعقد کیا ہے بعنوان صریح اس کی تفسیر کریں بلکہ وہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک سورۃ کے ذیل میں بلا تصریح دوسری سورۃ کے کسی لفظ کی تفسیر کرجاتے ہیں طالب علم اس لفظ کو اس سورۃ میں تلاش کرتے ہیں جب وہ نہیں ملتا تو پریشان ہوتا ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کو یہ پریشانی نہیں ہوسکتی میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ سنو امام بخاری نے باب منعقد کیا ہے ’’باب ماجاء فی فاتحة الکتاب‘‘ اور اس باب میں لکھا ہے۔

’’’’والدین الجزاء في الخير والشر كما تدين ندان قال مجاهد بالدين

بالحساب مدينين محاسبين پس جب طالب علم قال مجاهد بالدين بالحساب ''پر پہنچتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ بالدین سورۃ فاتحہ میں کہاں ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کا ذہن فوراً أَرَأَيتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ''کیا آپ ﷺ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے'' کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سمجھ لے گا یہ لفظ فلاں سورۃ میں واقع ہوا ہے اور وہاں اس کی تفسیر منقول ہے اس تفسیر سے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ''مالک ہے روز جزا کا'' کی تفسیر ہے علیٰ ہذا جب وہ مدینین محاسبین پر پہنچے گا اور مدینین کو سورۃ فاتحہ میں نہ پائے گا تو متحیر ہوگا لیکن حافظ کا ذہن فوراً ''لَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ (تو فی الواقع اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں) کی طرف جو کہ سورۃ واقعہ میں ہے منتقل ہوگا اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ تفسیر دوسری سورۃ سے متعلق ہے اس سے آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ مولویوں اور طالب علموں کے لئے حفظ قرآن کی نہایت شدید ضرورت ہے اسی واسطے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی شخص عربی پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ بتلاؤ تم حافظ بھی ہو یا نہیں اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہتا کہ جی ہاں میں حافظ ہوں تو آپ فرماتے تھے کہ میں تمہارے مولوی ہونے کا ذمہ کرتا ہوں۔ اور اگر کہتا کہ حافظ تو نہیں ہوں تو فرماتے تھے اچھا کوشش کرو میں بھی دعا کروں گا اور تم بھی دعا کرنا چونکہ اوپر رحمت کی تفسیر میں نبوت و مطلق علم کا فرد رحمت ہونا مذکور تھا جس سے علم کا نبوت کے ساتھ ملابس (۱) ہونا معلوم ہوتا ہے۔

نبوت نا قابل انقسام منصب ہے

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ایک کام کی بات بتلا دی

(۱) علم کا نبوت کے ساتھ تعلق معلوم ہوا۔

جاوے، نبوت ایک منصب خاص ہے جو حق سبحانہ کی طرف سے اس کے خاص بندوں کو بالتخصیص (۱) عطا ہوتا ہے بعض چیزیں اس کے لوازم یا مناسبات میں سے ہوتی ہیں جو حقیقتاً نہ عین نبوت ہوتی ہیں نہ جزو نبوت مثلاً علم یا رویائے (۲) حقہ وغیرہ بعض لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے اور وہ نبوت کو قابل انقسام سمجھ کر اور اس کے حصے اور اجزاء متعین کر کے اپنے کو جزوی نبی کہنے لگتے ہیں۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے اس سے آگاہ رہنا چاہیے۔

رویائے صالحہ کے نبوت کے چالیسواں جزو ہونے کا مفہوم

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزو ہے وہ محمول بر حقیت نہیں ہے بلکہ شدت ملابست (۳) کی وجہ سے اس کو جزو کہہ دیا گیا ہے، اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ نبوت قابل انقسام ہے تب بھی ایسے شخص کو دعوت، نبوت کا حق نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام میں اپنے کل کے شریک ہوتے ہیں، ہوا پانی اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام میں اپنے کل کے شریک نہیں ہوتے مثلاً اینٹ اور گھر، تو رویائے صالحہ وغیرہ کے اجزاء نبوت ہونے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جس میں کسی جزو کا ثبوت پایا جاوے وہ نبی کہلا سکتا ہے۔ یہ تفصیل تھی اسی آیت کے متعلق جس کو شکر کے لئے اس جلسہ میں تلاوت کیا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مثنوی کے متعلق بھی کہ علم نافع کا ایک مادہ تحقیق ہے اور اس کی شرح اور شارحین و شرکاء جلسہ کے متعلق بھی کچھ بیان کر دیا جاوے۔

(۱) بالخصوص (۲) علم یا سچے خواب (۳) تعلق شدید کی بنا پر۔

مثنوی مولانا روم مضامین حقہ سے لبریز ہے

مثنوی ایک ایسی کتاب ہے جو مضامین حقہ سے لبریز (۱) ہے مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نسبت فرمایا ہے:

ہست قرآن در زبان پہلوی　　مثنوی　مولوی　معنوی

''یہ مثنوی مولوی معنوی فارسی زبان میں الہامی کتاب ہے''

اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اسرار ودقائق قرآنیہ کو بیان فرمایا ہے، یہ معنی ایسے ہیں جن سے عوام کو وحشت نہیں ہوسکتی اور دوسرے معنی وہ جن میں عوام کے توحش (۲) کا خطرہ ہے اور وہ، وہ ہیں جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں یعنی مثنوی حق سبحانہ وتعالیٰ کا الہامی کلام ہے اور اس مقام پر قرآن سے معروف کلام حق سبحانہ مراد نہیں ہے بلکہ مطلق کلام حق مراد ہے گو بالوحی نہ ہو بالالہام (۳) ہو حق سبحانہ کا کلام فی نفسہ تو حرف وصوت سے پاک ہے مگر جس طرح وہ لباس عربیت میں جلوہ گر ہوا ہے یوں ہی لباس فارسی میں بھی جلوہ گر ہوسکتا ہے اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ کلام حق ہے تو اس کے لئے بھی وہی احکام ثابت ہوں گے جو قرآن کے ہیں کیونکہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا قطعی ہے اور مثنوی کا کلام الٰہی ہونا قطعی نہیں ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا، قرآن اپنے مرتبہ میں رہے اور مثنوی اپنے مرتبہ میں بلکہ دوسری کتب سماویہ خود کلام قطعی بھی ہیں اس لئے بھی کسی حکم کا ہونا محتاج دلیل مستقل ہوگا، خیر یہ وہ معنی ہیں جو حضرت حاجی صاحب نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں۔

(۱) بھری ہوئی ہے (۲) عوام کی پریشانی کا اندیشہ ہے (۳) بذریعہ وحی نہیں بلکہ بذریعہ الہام۔

اہل کمال اور غیر اہل کمال کے غلبہ حال میں فرق

اور یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے پھر حاجی صاحب کیسے مغلوب ہوئے، کیونکہ یہ خود قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں، مگر ان میں اور غیر اہل کمال میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جن احوال سے غیر اہل کمال مغلوب ہوجاتے ہیں، اہل کمال ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مغلوب کرنے والے احوال دوسروں کے احوال سے اقوی[۱] ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل کمال کی مغلوبیت کم ہوتی ہے اور غیر اہل کمال کی زیادہ، مگر ان کی نفس مغلوبیت کا انکار مشکل ہے، انبیاء سے زیادہ کون صاحب کمال ہوسکتا ہے، لیکن جب ان کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاثر من الحال[۲] وہاں بھی ہے چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں ان الفاظ سے دعا فرمائی تھی: ''اللّٰھم ان تھلك ھذا العصابة لم تعبد بعدالیوم''[۳] اب آپ خیال کر لیجئے کہ اگر غلبہ حال نہ ہوتا تو کیا جناب رسول اللہ ﷺ اس عنوان سے دعا فرماتے، جس میں ابہام ہے حق سبحانہ کی احتیاج الی العبادات[۴] کا، گو آپ ﷺ کا مقصود یہ نہیں بلکہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے انسانوں کو اپنی عبادات کے لئے پیدا فرمایا ہے گو آپ کو ان کی احتیاج نہیں ہے اور نہ آپ کا کچھ نفع ہے پس اگر تیرے بندوں کی یہ قلیل جماعت ہلاک ہوگئی تو میرے خیال میں پھر حق کی اشاعت نہ ہوسکے گی اور انسانوں کی پیدائش سے جو

---

(۱) زیادہ قوی (۲) حال سے متاثر ہونا (۳) ''اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو آج کے بعد (کوئی) آپ کی عبادت نہیں کرے گا'' الصحیح لمسلم: ۱۳۸۳، مسند احمد ۱/۳۲ (۴) جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت کا محتاج ہے۔

مقصود ہے، وہ فوت ہوجاوے گا اس لئے آپ اس جماعت کو بچا لیجئے ﴿ رَبِّ لَوْشِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّایَ ط اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ط تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ط ﴾(۱)

یہ اگر غلبہ حال نہ تھا تو کیا تھا یہ واقعات محض تائید کے درجے میں ہیں، اگر ان کو کوئی نہ مانے تو اس کو خود غیر انبیاء اہل کمال کا اعتراف تو ماننا ہی پڑے گا۔

عارف رومی اور ان پر غلبہ حال

حضرت مولانا مثنوی معنوی میں جگہ جگہ اپنی مغلوبیت کا اظہار فرماتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

چوں بہ گوشم تا سرش پنہاں بکنم　　سر برآرد چوں علم کا نیک منم
غم انغم گیروم ناگہ دو گوش　　کائے مدمغ چوں ہمی پوشی بپوش

دوسری جگہ کہتے ہیں:

اے بروں از وہم وقال و قیل من　　خاک بر فرق من تمثیل من
بندہ نشکیبد تصویر خوشت　　ہر زماں گوید کہ جانم مفرشت(۲)

علی ہذا اور بہت سے مقامات پر مولانا نے خود اعتراف فرمایا ہے اس تقریر سے ”من عرف کل لسانه “(۳) کے معنی بھی ظاہر ہوگئے اور معلوم ہوگیا کہ اس کلل میں کلال سے کلال اضافی مراد ہے نہ کہ عدم افشاء مطلقاً۔ اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ یہ مقولہ دو طرح سے منقول ہے اول یوں کہ من عرف کل لسانہ

(۱) سورۃ الاعراف:۱۵۵ (۲) اے اللہ آپ میرے وہم وخیال اور قیل وقال سے پاک ہیں، میرے سر اور تمثیل پر خاک پڑے، عاشق کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لئے وہ آپ کے واسطے اچھی سے اچھی تمثیل بیان کر کے خوش ہوتا ہے (۳) جس نے اپنی زبان کی کمزوری کو پہچان لیا۔

اور دوسرا یوں کہ من عرف طال لسانہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں کیونکہ من عرف طال لسانہ ابتدائی حالت پر محمول ہے اور من عرف کل لسانہ انتہائی حالت یعنی عارف ابتداء میں ضبط اسرار پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس وقت اس کی زبان کشادہ ہوتی ہے لیکن جب وہ پختہ ہوجاتا ہے، اس وقت اس کی زبان گنگی ہوجاتی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ غالب اوقات میں۔ ہاں تو مثنوی مضامین حقہ سے لبریز ہے مگر وہ عوام کے کام کی نہیں ہے کیونکہ اس کے مضامین دقیق ہیں اور مولانا کا کلام ذو وجوہ ہے، ہر خیال کا آدمی اس کے مضامین کو اپنے خیالات پر منطبق کرسکتا ہے، اس لئے اس میں (یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْراً)''اس (قرآن حکیم) سے بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں'' کی شان ہے اس لئے مولانا فرماتے ہیں:

نکتہا چوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ رانبود حیا(۱)

مثنوی کا ایک خاص کمال

مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین حافظہ میں ضبط نہیں ہوسکتے حالانکہ میں اس کی شرح بھی لکھ چکا ہوں اور متعدد بار پڑھنے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے، لیکن جب اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ہر مرتبہ وہ مجھے نئی معلوم ہوتی ہے اور جن اشعار کے جو مضامین میں نے پہلے سمجھے تھے وہ یاد نہیں آتے بلکہ نئے مضامین یاد آتے ہیں کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اور خود اپنی شرح کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یہی

(۱) تصوف کی باریکیاں فولادی تلوار سے بھی زیادہ تیز ہیں، جب تمہارے پاس ڈھال نہیں ہے واپس آوٴ، اس تلوار کے سامنے بغیر ڈھال نہ آوٴ اس لئے کہ تلوار کو کاٹنے سے حیا نہیں آتی۔

حالت قرآن شریف کی ہے کہ جب دیکھئے نیا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لئے ہی مجھے اپنی تفسیر دیکھنی پڑ جاتی ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف، مثنوی شریف، بخاری شریف یہ تینوں کتابیں البیلی ہیں، یعنی ان تینوں کتابوں کا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس کا احاطہ ہو سکے۔ مثنوی اور قرآن کے اس تشابہ طرز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مثنوی الہامی کلام حق ہے۔ مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وقت وعلوصولت وشوکت معانی کی طرح اس میں شوکت وصولت الفاظ بھی ہے[1] جو اور کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے اور اس کا فیصلہ ذوق صحیح کرسکتا ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی بات ہے نہ کہ استدلالی، دیکھو ایک بلغاء عرب تھے جن پر قرآن کریم کی بلاغت نے وہ اثر کیا ہے کہ باوجود کمال مخالفت وعناد وحق پوشی کے ان کو جرأت نہ ہوسکی، وہ جھوٹا بھی کوئی کلام بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آئیں اور کہہ دیں کہ یہ اس کے ہم پلہ ہے اور ایک آج کل کے حمقاء ہیں جو مقامات حریری کو بلکہ خود اپنے کلام کو قرآن کے برابر بتاتے ہیں۔ یہ تفاوت کیوں ہے محض اس لئے کہ بلغاء عرب کا ذوق صحیح تھا اور ان کا ذوق فاسد ہے ان کا ذوق صحیح ان کو اعتراف اعجاز پر مجبور کرتا تھا اور ان کا فساد مذاق اس بیہودہ دعوے پر جرأت دلاتا ہے۔ دیکھو بلغاء تصریح کرتے ہیں کہ قرآن میں ابلغ الآیات یہ آیت ہے: ﴿وَقِيلَ يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ﴾۔[2]

(۱) اس میں معانی کی بلندی کے ساتھ الفاظ کی بندش بھی بہت بلند وبالا ہے (۲) ''اور حکم ہوگیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور وہ (کشتی) جودی پر آ ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ اللہ کی رحمت سے دور'' سورہ ھود:۴۴۔

صحت وفساد مذاق

مولوی فیض الحسن صاحب سہارن پور کی نسبت سنا گیا ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تھے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، حالانکہ ہم لوگوں کو کچھ بھی لطف نہیں آتا۔ یہ فرق کیوں ہے صحت وفساد مذاق کے سبب مجھے جس قدر لطف ایک مرتبہ اس آیت میں آیا ہے: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (۱)

اتنا عمر بھر میں کسی آیت میں نہیں آیا لیکن اگر پوچھئے کہ کیوں تو میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا اس لئے کہ یہ ذوق امر ہے اور امر ذوقی بیان میں نہیں آ سکتا۔

حسن معنوی ایک ذوقی امر ہے

چنانچہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو اور اس سے پوچھا جاوے کہ تو اس پر کیوں عاشق ہے تو وہ اس کی پوری اور مفصل وجہ نہیں بیان کرتا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں فلاں خوبی ہے مثلاً اس کی آنکھ اچھی ہے یا بال اچھے ہیں وغیرہ مگر جب اس سے پوچھا جاوے کہ اس میں کیا اچھائی ہے اور وہ کیوں اچھی ہے تو وہ اس کی وجہ بیان

(۱) ''سو جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے سو آپ ﷺ اسی طرف (ان کو برابر) بلاتے رہئے اور جس طرح آپ ﷺ کو حکم ہوا ہے اس پر مستقیم رہئے اور ان کی (فاسد) خواہشوں پر نہ چلئے اور آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں ان سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنے اور تمہارے درمیان عدل رکھوں، اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے، ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کریں گے اور اس میں شک نہیں کہ اس کے پاس جانا ہے'' (سورہ شوریٰ:۱۵)

کرنے سے عاجز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسن معنوی کی طرح حسن صوری بھی درحقیقت ذوقی ہے نہ کہ مدرک بالبصر (۱) ہاں حسن صوری کو معلوم کرنے کے لئے حسن ظاہر شرط بے شک ہے، مگر شرط ہونا اور چیز ہے اور مدرک ہونا اور شے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسن دو قسم کا ہے حسن صوری اور حسن معنوی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مدرک دونوں کے لئے ذوق ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حسن معنوی کے ادراک کے لئے حسن ظاہر شرط نہیں ہے اور حسن ظاہر کے ادراک کے لئے شرط ہے۔

اور اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہوگیا کہ اندھے کسی پر کیوں عاشق ہوجاتے ہیں اس لئے کہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ادراک حسن کا مدار آنکھ پر نہیں ہے بلکہ بعض خوبیاں بدوں آنکھ کے بھی معلوم ہوسکتی ہیں، پس اندھے ان پر ان خوبیوں کی بناء پر عاشق ہوتے ہیں، جو بلاتوسط آنکھ کے مدرک ہوسکتے ہیں جیسے آواز ہے یا کوئی عادت وخصلت ہے وغیرہ وغیرہ، اندھوں کے عاشق ہونے پر ایک اندھے کا قصہ یاد آگیا، لڑکوں کو پڑھاتا تھا، ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی، اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کو بھی اس سے محبت ہوگئی۔

ایک روز اس نے اس لڑکے کے ہاتھ اس کی ماں کے پاس ظاہر عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیغام کہلا بھیجا، عورت پارسا تھی، اسے ناگوار ہوا اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا ان دونوں میں طے ہوگیا کہ اندھے کو اس کا مزہ چھکانا

(۱) آنکھ سے اس کا ادراک نہیں ہوتا

چاہیئے اور اس کی صورت بھی تجویز کرلی گئی اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا، حافظ جی وقت معہود (۱) پر پہنچ گئے۔

اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو، حافظ جی سن کر گھبرائے، عورت نے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں، تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پیسنے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا، اس نے جا کر کواڑ کھول دیئے، خاوند اندر آیا، ملی بھگت تو تھی ہی، پوچھا یہ کون عورت ہے کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی، اس لئے بے وقت چکی پیس رہی ہے وہ خاموش رہا، حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا یہ دیکھ کر خاوند اٹھا اور کہا مردار سوتی ہے، پیستی کیوں نہیں یہ کہہ کر چند جوتے رسید کیے اور آکر اپنی جگہ لیٹ رہا، حافظ جی نے قہر درویش برجان درویش پھر پیسنا شروع کیا، تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا، خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا، غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی، جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے، تو حسب قرارداد خاوند وہاں سے ٹل گیا، عورت نے کہا حافظ جی اب موقعہ ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں ایسا نہ ہو وہ ظالم پھر آجاوے، حافظ جی وہاں سے بھاگ گئے اور مسجد میں آکر دم لیا، یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا (۲)۔ اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا، حافظ جی نے کہا ہاں میں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔

(۱) مقررہ وقت پر (۲) یہ قصہ تو گیا گذرا ہوا۔

مثنوی سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت

کہنا ہم کو یہ ہے کہ مثنوی میں حسن صوری بھی ہے اور معنوی بھی مگر اس کے سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے مضامین کی دقت اور اس کے دو وجوہ ہونے سے اس کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ عوام کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ اس سے لوگوں کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اس بنا پر جی یوں چاہتا ہے کہ اس کو یوں پردہ میں چھپایا جاوے کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگے کیونکہ گو مثنوی اپنی ذات سے ایک کتاب ہدایت ہے اور اس سے جو گمراہی پھیلتی ہے اس کی ذمہ دار خود لوگوں کی نااہلیت ہے مگر جس وقت کہ اس کی اشاعت میں ایک مفسد ہے(۱) گو خارجی ہے اور شیوع اس کا ضروری نہیں تو اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ اس کو شائع نہ کیا جاوے اس لئے کہ یہ شرعی قاعدہ ہے کہ جس بات سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ کوئی مفسدہ بھی ہو تو خود اس کو نہ روکا جاوے گا بلکہ اس وقت خود مفاسد کو روکا جاوے گا لیکن اس وقت اس کے اشاعت کا بند ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے حکومت کی اور حکومت ہے نہیں تو اشاعت کیونکہ رکے۔ پس دو صورتیں ہیں یا تو مثنوی سے بالکل تعرض نہ کیا جاوے اور اس پر جو مفاسد مرتب ہوں، ہونے دیا جاوے یا ان مفاسد کو دور کرنے کی کوشش کی جاوے، پہلی صورت کچھ اچھی نہ معلوم ہوتی تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ مثنوی کی کوئی ایسی شرح ہو جاوے جو اس کے مضامین کو شریعت پر منطبق کردے مگر اس طرح کہ حق بھی نہ چھوٹنے پائے تاکہ ایک حد تک مفاسد کا انسداد ہو جاوے۔(۲)

(۱) خرابی ہے (۲) خرابیوں کا سدباب ہو جائے۔

اب تک جو لوگوں نے حواشی و شروح لکھے وہ فرداً فرداً کافی نہیں کیونکہ بعض نے تو فن کو چھوڑ دیا ہے جیسے محض اہل علم ظاہر اور بعض نے شریعت کو چھوڑ دیا جیسے ولی محمد اور بعض ایسے ہیں جن کو مذاق سخن حاصل نہیں ہے اور جب تک مذاق سخن نہ ہو، اس وقت تک کسی کے کلام کی شرح ناممکن ہے غرض کہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہم کو کوئی شرح یا حاشیہ ایسا نہ ملا جو ان تمام باتوں کا جامع ہو یہ ممکن ہے کہ ان سب کے مجموعہ سے مقصود حاصل ہو جاوے، مگر اس میں اول تو یہ دقت ہے کہ ہر شخص کے پاس اتنا ذخیرہ جمع ہونا مشکل پھر اگر جمع بھی ہو جاوے، تو ہر شخص میں تنقید کی قابلیت کب ہے۔

کلید مثنوی لکھنے کا سبب

اس بنا پر جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی شرح ہو جاوے، جس میں ان تمام باتوں کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہو لیکن احباب کے اصرار سے یہ بار خود مجھ ہی کو اٹھانا پڑا اور میں نے دفتر اول کی شرح پوری کر دی اس کے بعد کئی سال تک ہمت پست رہی پھر احباب کی طرف سے بھی اصرار ہوا تو کچھ آمادگی ہوئی، لیکن یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس کو پورا کر سکوں گا اس لئے خیال ہوا کہ کچھ اور لکھ دیا جاوے اور میں نے حاجی صاحب سے سنا تھا کہ دفتر ششم میں اسرار بہت ہیں اس لئے خیال ہوا کہ دفتر ششم کی شرح بھی ہو جاوے تو اچھا ہے، اس بناء پر میں نے دفتر ششم کی شرح شروع کی اور بدقت تمام اس کو ختم کیا۔ اب تو ہمت بالکل ہی پست ہو گئی لیکن احباب کا اصرار کسی طرح پھر ہوا تب خیال ہوا کہ اس کو پورا ہونا چاہیے اور ہمت تھی نہیں اس لئے اس کے لئے یہ تدبیر بتلائی کہ میں پڑھا دوں اور پڑھنے والے ضبط

کرلیں۔ چنانچہ دفتر ثانی، دفتر ثالث، نصف اول دفتر رابع، ربع اول دفتر خامس بتحریر مولوی حبیب احمد و مولوی شبیر علی تمام ہوگئی۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مثنوی سے مناسبت

اس کے بعد بعض عوارض کی وجہ سے اس کے درس کا سلسلہ موقوف ہوگیا، مگر اس کی تحریر موقوف نہیں ہوئی یعنی میں نے مولوی حبیب احمد کو بوجہ اس کے کہ میرے خیال میں ماشاء اللہ ان کو مثنوی سے پوری مناسبت تھی اجازت دیدی کہ تم خود لکھ لو اور جو مقام حل نہ ہو یا جہاں کہیں کوئی شبہ ہو مجھ سے پوچھ لو، نصف ثانی دفتر رابع ربع ثانی وثالث ورابع دفتر خامس کی شرح اس طرح تمام ہوئی۔ غرض چار دفتر تو یوں تمام ہوئے اور دو دفتر میں خود لکھ چکا تھا، اس لئے اب بفضلہٖ تعالیٰ پوری مثنوی کی شرح ہوگئی چونکہ حق سبحانہ کا یہ ایک بہت بڑا انعام اور احسان تھا اس لئے جی چاہا کہ اس کے ادائے شکر کے لئے بے تکلف واہتمام خاص ایک جلسہ کیا جاوے جس میں حق سبحانہ کی اس نعمت کو ظاہر کیا جاوے کیونکہ اظہار نعمت بھی شکر ہے اگر چہ نیت تفاخر نہ ہو چونکہ بعض وہ احباب موجود نہ تھے، جن کے شریک کرنے کو جی چاہتا تھا اس لئے اس میں ذرا تاخیر ہوگئی آج وہ بھی اتفاقاً آگئے اور احباب غیر متوقع بھی آگئے اس لئے خیال ہوا کہ یہ کام آج ہی ہوجاوے تو اچھا ہے اس لئے یہ مختصر اور بے تکلف جلسہ منعقد کیا گیا گو شرح مثنوی کا کام ہمارے کئی ہاتھوں انجام پایا ہے۔

چھوٹی اور بڑی ہر نعمت پر اظہار شکر کی ضرورت

مگر ہمیں اس پر ناز نہ ہونا چاہیے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ

مِنْ م بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾(۱)

نیز فرماتے ہیں: ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہ کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں ہے اور بدوں اس کے دیئے کسی کو نہیں مل سکتی۔ پس بجائے اس کے ناز کیا جاوے ہم کو حق سبحانہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم پر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہم کو ناز کا کیا حق ہوسکتا ہے جب کہ خود حضور ﷺ کے لئے ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾(۲)

شارحین مثنوی کی شکر گزاری اور انہیں ہدیہ سے نوازنا

پس ہم کو خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ یہ مضمون تو حق سبحانہ کے شکر سے متعلق تھا اب میں کہتا ہوں کہ حدیث میں ہے ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ''(۳) اس لئے مجھے شارحین کی شکر گزاری کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ان سے مجھے اس مقصد میں مدد ملی ہے۔ سنو ایک تو ان کی شکر گزاری کی یہی صورت ہے کہ ان کی شناسی کے ساتھ ذکر ہو رہا ہے اور دوسری صورت ان کی شکر گزاری کی یہ کہ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ان پر حق تعالیٰ اپنی رحمت فرمادیں اور ان کو تقویٰ حقیقی نصیب فرمائیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کروں۔ سو مولوی شبیر علی تو میری مثل جز کے ہیں(۴) ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کرنا تو خود اپنے لئے تجویز کرنا ہے اور مولوی حبیب احمد میرے دوست ہیں گو وہ بھی

(۱) یعنی حق سبحانہ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھول دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ بند کردیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں۔ الفاطر:۲ (۲) یعنی اے رسول اکرم ﷺ اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی ہے اسے سلب کرلیں'' الاسراء:۸۶ (۳) سنن الترمذی: ۱۹۵۵، مشکوٰۃ:۳۰۲۵ (۴) کیونکہ وہ حضرت تھانوی کے بھتیجے ہیں۔

میرے لئے من وجہ جزو ہی کی مثل ہیں (۱) مگر پھر بھی دونوں میں بہت فرق ہے اس لئے میں ہدیہ رسم صالحہ کے طور پر صرف مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کرتا ہوں، اس تفریق کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''لو کان بعدی نبی لکان عمراً'' (۲) اور یہ نہیں فرمایا لکان ابوبکر اس کی وجہ استادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بوجہ شدت تعلق برسول اللہ ﷺ کے ملحق برسول ﷺ اور حکماً بعد کے مضاف الیہ میں داخل ہیں گو حیثیات الحاق دونوں واقعوں میں جدا گانہ ہیں مگر اس سے اصل مقصود پر اثر نہیں پڑتا۔ دوسری وجہ فرق یہ بھی ہے کہ (یہ ہنس کر فرمایا کہ) مولوی حبیب احمد نے شرح کو پورا کیا ہے اور مولوی شبیر علی نے پورا نہیں کیا اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو بات محبت سے ہو وہ خود بھی محبوب ہے خواہ فعل ہو خواہ ترک ہو کیونکہ کبھی فعل مودی ہوتا ہے معنی کو اور کبھی ترک۔ (۳)

مولانا حبیب احمد صاحب کو مفتاح مثنوی کے لقب سے نوازنا

خیر جو تحفہ میں نے مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کیا ہے وہ اب میں پیش کرتا ہوں۔ برگ سبز ست تحفہ درویش (۴) اس تحفہ کو حقیر نہ سمجھئے یہ میری ٹوپی ہے جس میں یہ شعر لکھا ہوا ہے:

گشتہ مفتاح باب مثنوی   اے حبیب مولوی معنوی (۵)

اس میں لفظ حبیب مضاف ہے مگر بشکل موصوف اس کو عربی میں یوں پڑھا جاسکتا۔

صرف مفتاحا لباب المثنوی   یا حبیب المولوی المعنوی

(۱) مثل اولاد ہی کے ہیں (۲) سنن الترمذی: ۳۶۸۶، مشکوۃ المصابیح: ۶۰۳۵ (۳) گویا میری مراد کو دونوں نے پورا کیا ایک نے فعل کر کے دوسرے نے ترک کر کے (۴) درویش کا تحفہ ایک سبز ٹوپی ہے (۵) اے حبیب مولوی معنوی تو مثنوی کے باب میں مفتاح المثنوی ہوا۔

میں نے اس پر ۱۳۳۶ھ بھی یادداشت کے لئے لکھ دیا ہے اور میں حبیب احمد کو مفتاح المثنوی کا لقب دیتا ہوں اور صلاح اعمال کی دعا کرتا ہوں۔ (اس کے بعد اتمام ذرہ نوازی کے لئے اس نااہل کو اپنے دست مبارک سے ٹوپی اڑھادی۔ حبیب احمد) میں شارحین کو حق سبحانہ کا ارشاد: ﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ ﴾(۱) پھر یاد دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ اس پر ناز نہ کریں بلکہ خدا کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ ان کا انعام ہے جوان پر کھولا گیا ہے، اگر وہ بند کر لیتے تو پھر اس کا کوئی کھولنے والا نہ تھا۔

وعظ کا نام شکر المثنوی تجویز فرمانا

اس لئے میں اس وعظ کا نام شکر المثنوی رکھتا ہوں اور حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ مثنوی کے سبق کے بعد یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ جو کچھ اس میں ہے ہمیں بھی نصیب ہو۔ سبحان اللہ کیسی مختصر اور جامع دعا ہے اور ایک دفعہ اس دعا کے بعد فرمایا تھا کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ سب کو ایک ذرہ محبت عطا ہوگا، آپ نے تو یہ بشارت دی تھی کہ جتنے لوگ اس جلسہ میں شریک ہیں سب کو اس میں سے حصہ ملے گا ہم بشارت کے قابل نہیں ہاں ہم کو حق سبحانہ کے فضل سے امید ہے کہ جتنے اس جلسہ میں شریک ہیں ان کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے حصہ ملے گا(۲)۔

(۱) ''اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بند کرنے کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں'' (۲) اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ محشی اور اس وعظ سے مستفید ہونے والوں کو بھی اس میں سے ضرور حصہ ملے گا ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

کلید مثنوی کی تکمیل پر تقسیم مٹھائی

اس جلسہ میں تقسیم کے لئے مٹھائی بھی منگائی گئی ہے جو تقسیم ہونے والی ہے جو لوگ اس تقسیم میں ایسے ہیں جن کو مٹھائی دینے سے ثواب ملے اے اللہ اس کا ثواب حضرت مولانا رومی کو پہنچے۔ یہ فاتحہ مروجہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اور فاتحہ مروجہ میں بہت فرق ہے۔ اہل بدعت کی شیرینی وغیرہ ان کے آگے ہوتی ہے ہماری مٹھائی بائیں طرف رکھی ہے وہ کسی شے پر فاتحہ دے کر خود ہی کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس شے کا ثواب مردہ کو پہنچ جاوے گا، ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے ایک عورت کا قصہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز پکاتی تو اس کو چند پیالوں میں اتارتی اور کہتی کہ یہ فلانے کے نام کا ہے اور یہ فلانے کے نام کا، اس کا ثواب فلانے کو پہنچے اور اس کا فلانے کو، کہہ کر خود کھا جاتی۔ سو ہماری فاتحہ تو ایسی نہیں اہل بدعت کے یہاں ثواب کی تین قسمیں ہیں ایک مستحقین کو دینے کا اور ایک غیر مستحقین کو دینے کا ایک خود کھانے کا اس لئے ان کے مردوں کو ثواب بھی کم پہنچتا ہے، کیونکہ جو غیر مستحقین کو دیدیا گیا خود کھالیا اس کا ثواب تو کیوں ہی پہنچے گا، رہا وہ جو مستحقین کو دیا گیا ہے اس میں اگر خلوص نہ تھا جو کہ اغلب ہے، کیونکہ ان کے ایصال ثواب میں یا ریاء وتفاخر (۱) ہوتا ہے یا محض پابندی رسم وتقلید آباء (۲) تو وہ یوں اکارت (۳) گیا اب بتلایئے مردوں کو کیا پہنچا، برخلاف اہل حق کے کہ جب وہ ایصال ثواب کریں گے تو اس میں اس کی شرائط کا لحاظ رکھیں گے، اس لئے سارا ثواب مردوں کو پہنچے گا۔ ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے منت مانی تھی، منت کا کھانا جن لوگوں کو کھلایا گیا ان میں کوئی تحصیلدار تھا کوئی پیش کار، غرض کہ سب

(۱) دکھاوا اور فخر (۲) باپ دادا کی تقلید (۳) بیکار۔

اغنیاء تھے، ایک شخص نے کہا بھائی جس نے مساکین نہ دیکھے ہوں اس جلسہ میں دیکھ لے اگر کسی کو ہمارے مولانا کو ثواب پہنچانے پر یہ شبہ ہو کہ وہ تو خود بزرگ ہیں ان کو ثواب پہنچانے سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک فائدہ تو خود بزرگوں کا ہے وہ کہ مراتب بلند ہوں گے اور ان کے تقریب خداوندی میں اضافہ ہوگا جس کے وہ ہم سے زیادہ طالب ہیں۔ دوسرا فائدہ خود ہمارا ہے کہ ان کے تعلق سے حق سبحانہ کو ہم سے تعلق ہوگا کیونکہ وہ خدا کے دوست ہیں اور دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔

آیت متلوہ کی عجیب وغریب تفسیر

اب میں آیت متلوہ(۱) کے متعلق تھوڑا سا مضمون اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد اس بیان کو ختم کردوں گا۔ وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے جس طرح اس آیت میں اپنے عموم قدرت وقہر غلبہ کو صراحتاً بیان فرمایا ہے، یوں ہی انہوں نے اس میں اپنے کمال جودوکرم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت میں جملہ اولیٰ میں فتح (کھولنا) کے مقابلہ میں امساک لائے ہیں اور امساک کے مقابلہ میں فتح اور جملہ ثانیہ میں امساک (روکنا) کے مقابلہ میں ارسال (بھیجنا) لائے ہیں اور ارسال کے مقابلہ میں امساک۔

پس اس میں دو امر خلاف ظاہر ہیں ایک تو جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک اور امساک کے مقابلہ میں فتح لانا کیونکہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک اور امساک کا مقابلہ ارسال ہے نہ کہ فتح اور دوسرا یہ کہ جملہ ثانیہ مقابل ہے جملہ اولیٰ کا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک۔

(۱) تلاوت کی گئی آیت۔

پس جملہ اولیٰ میں مـا یـفتح اللّٰـہ فرمایا اور اس کے مقابلہ میں جملہ ثانیہ میں مـا یمسك فرمانا خلاف مقتضائے تقابل ہے اس بنا پر آیت مذکورہ پر شبہ ہوتا ہے کہ اس میں رعایت نہیں رکھی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت معنوی چونکہ رعایت لفظی پر مقدم ہے اور رعایت معنوی عدم لحاظ تقابل میں تھی اس لئے اس کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح اظہار کمال قدرت مقصود ہے یوں ہی اس میں غایت کرم اور کمال جود کی طرف بھی اشارہ ہے پس جملہ اولیٰ میں بجائے لفظ ارسال کے فتح کا لفظ اس واسطے استعمال کیا گیا ہے کہ گویا یہ دونوں لفظ اطلاق پر دلالت کرتے ہیں مگر جو دلالت اطلاق پر لفظ فتح کرتا ہے وہ دلالت لفظ ارسال نہیں کرتا اس لئے مـا یفتح اللہ میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جب حق سبحانہ کسی پر رحمت کرتے ہیں تو بہت اور بیدریغ کرتے ہیں اور یہ اشارہ ارسال میں نہ تھا اس لئے بجائے ارسال کے فتح لایا گیا اور بجائے غلق کے امساک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ جس قدر کمالِ قدرت نفی ممسک سے ظاہر ہوتا ہے اس قدر نفی غالق سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ غلق خاص ہے اور امساک عام اور نفی عام تو نفی خاص کو مستلزم ہے مگر نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں اور جملہ ثانیہ میں لفظ امساک بجائے غلق کے اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کرم پر کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق سبحانہ جب کسی پر انعام نہیں کرتے تو یہ اس کا بند کرنا نہیں ہوتا کہ نہر جاری نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے عارضی طور پر روک لینا ہوتا ہے اور زوال عارض کے بعد پھر اس کا اجراء ہو جاتا ہے۔ مـا یـفتح اللہ للناس من رحمة فلا غالق لها ”اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں“ اس لئے نہیں کہا کہ اس میں گو کثرت جود کی طرف اشارہ ہے مگر اس سے کمال قدرت کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ نفی غالق کے لئے نفی

ممسک لازم نہیں اور ما یرسل اللّٰہ للناس من رحمة فلا ممسک لها ’’اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کا کوئی روکنے والا نہیں‘‘ اس واسطے نہیں فرمایا کہ گو اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے مگر اس سے کمال جود مفہوم نہیں ہوتا اور ما یرسل اللّٰہ للناس من رحمة فلا غالق ’’اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں‘‘ اس واسطے نہیں فرمایا کہ نہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے اور نہ کمال جود کی طرف اشارہ اور ما یغلق فلا فاتح له اس واسطے جو کہ ادنیٰ ہے غلق سے نیز اس میں کمال قدرت پر بھی دلالت نہیں ہے کیونکہ نفی فاتح مستلزم نفی مرسل نہیں ہے۔

ما یغلق فلا مرسل له اس واسطے نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت پر دلالت ہے مگر حق سبحانہ غلق رحمت نہیں فرماتے اور ما یمسك فلا فاتح له اس واسطے نہیں فرمایا کہ اس میں کمال قدرت پر دلالت نہیں ہے۔ اس تفصیل کے بعد آیت کا حاصل یہ نکلا کہ حق سبحانہ جب کسی پر کوئی عنایت کرتے ہیں تو بے دریغ کرتے ہیں اور خود ان کی طرف سے کوئی روک نہیں ہوتی اور جس کسی پر وہ عنایت کرتے ہیں اس کا کوئی بند کرنے والا تو درکنار روکنے والا بھی نہیں ہوتا اور جس پر وہ رحمت نہیں کرتے تو وہ اس کو بند نہیں کرتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روک لیتے ہیں اور اگر وہ عارض زائل ہوجاوے تو پھر جاری فرمادیتے ہیں۔ اس سے اہل سلوک کو خاص طور پر سبق لینا چاہیے اور اگر کسی وقت احوال و مواجید اور ذوق وشوق میں کمی آجاوے یا وہ بند ہوجاویں تو مایوس نہ ہوں کیونکہ حق سبحانہ نہایت کریم ہیں اس لئے کسی نعمت کو خود نہیں روکتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روکتے ہیں اور عارض کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی غیر معصیت۔ پس اگر معصیت ہو تو اس کا توبہ و

استغفار سے تدارک کرنا چاہیے۔ حق سبحانہ پھر اس کو جاری فرمادیں گے اور غیر معصیت ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ روکنا کسی خاص مصلحت سے ہے اور مفید ہے نہ کہ مضر اس لئے اس کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہیے اور پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کے ہر امر میں حکمت ومصلحت ہوتی ہے

چنانچہ اسی آیت میں ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ''اور وہ زبردست حکمت والا ہے'' فرمایا ہے اسی لئے ان کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتداء میں جب کہ جوش زیادہ تھا ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلم ہے (۱) کہ حق سبحانہ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم بھی ہیں پھر ان باتوں کے ہوتے ہوئے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومی سے مشورہ لوں یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے ہی صفحہ پر اشعار نکلے جن میں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کیے تھے اور پانچواں مقدمہ اور تھا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہ ہونے کے سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ یہ ہیں:

چارہ میجوید پئے من درد تو　　　می شنو دم دوش آہ سرد تو
می توانم ہم کہ بے ایں انتظار　　　رہ نمایم داد ہم راہ گذار
تا ازیں طوفان دوراں وارہی　　　برسر گنج وصالم پانہی
لیک شیرینی ولذات مقر　　　ہست بر اندازہ رنج سفر

(۱) تسلیم شدہ۔

انگہ از فرزند وخویشاں برخوری کز غریبی رنج محنتہا بری(۱)

حاصل اشعار کا یہ ہے کہ ''یہ مسلم ہے کہ تمہارا درد عشق میرے وصال کی(۲) تدبیر کا طالب ہے اس میں میرا مقدمہ اولیٰ تسلیم کیا ہے اور میں کل رات تمہاری آہ سرد کو سنتا بھی تھا اس میں میرے مقدمہ ثانیہ کو مانا گیا ہے اور میں یہ بھی کرسکتا ہوں کہ تم کو اپنے وصال کی طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لئے راستہ دے دوں تا کہ تم گردش کے طوفان سے نجات پا جاؤ اور میرے گنج وصال پر پہنچ جاؤ'' اس میں میرے مقدمہ ثالثہ کو تصریحاً اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے لیکن کسی قدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہے کہ گھر کا مزہ اور اس کی لذت اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف اٹھائی ہو اور تم کو اپنے بال بچوں اور عزیز و اقارب سے مل کر لطف تام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اٹھانا پڑیں۔ اس مضمون میں ایک مقدمہ خامسہ بتلایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے ہیں اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمہیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمہیں اس کی قدر ہو، واقعی بات یہ ہے کہ جو راحت بہت سی تکالیف کے بعد حاصل ہوتی ہے اس میں نہایت ہی لطف آتا ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے مولوی ناظر حسن کی بارات میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا

(۱) ''تیرا درد میرے وصال کی چارہ جوئی کر رہا تھا اور کل گزشتہ رات میں تیری آہ سرد بھی سنتا تھا، اس میں اس کے درد و لطف کو بھی مان لیا اور علم و رحمت کو بھی مان لیا، مجھ کو قدرت ہے کہ بغیر انتظار کرکے راستہ دکھاؤں اور راہ گزر کو ظاہر کردوں تا کہ زمانہ کے رنج والم کے طوفان سے چھٹکارا پائے میرے وصل کے خزانہ کو حاصل کرنے کے لئے، لیکن وطن کی لذت اور لطف سفر کے رنج و محن برداشت کرنے کی مقدار پر ہے، اس وقت خویش واقارب، اہل وعیال کی صحبت کا لطف حاصل ہوسکتا ہے کہ مسافرت میں بہت سی تکلیفیں اور محنتیں اٹھائی ہیں'' (۲) تمہارا درد عشق مجھ سے ملاقات کا طالب ہے۔

(پہلے تو میں بارات میں شریک ہوجاتا تھا اب شریک ہونا چھوڑ دیا ہے) بارات دیر میں رخصت ہوئی اور راستہ ہی میں رات ہوگئی، مینہ اور آندھی رعد و برق کے ساتھ جو آئی لوگ اپنی اپنی گاڑیاں اڑا لے گئے ہماری گاڑی بھی اکیلی رہ گئی، غرض بے حد تکلیف ہوئی، اللہ اللہ کر کے تھانہ بھون آیا۔ جب میں گھر پہنچا ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت مجھے کس قدر لطف آیا ہے اور کس قدر راحت حاصل ہوئی ہے اسی پر ان سالکین کی حالت کو قیاس کرلینا چاہیے جو بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے بعد مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اب ایک بات اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا يُمْسِكْ لا فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ﴾ ''اور جس کو بند کردے اس کے بند کرنے کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں'' من بعدہ میں مضاف محذوف ہے ای من بعد امساکہ چونکہ مضاف بلا ذکر بھی سمجھا جاتا تھا اسلئے اس کو حذف کردیا گیا غرضیکہ قرآن میں لفظی اور معنوی دقائق و محاسن بے انتہا ہیں مگر جس قدر ان کو اہل زبان سمجھ سکتے ہیں غیر اہل زبان نہیں سمجھ سکتے۔ ایک شاعر کا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی محنت اور دماغ سوزی کے بعد ایک شعر کہا اور اس پر بہت خوش ہوا۔ شعر یہ تھا۔

سیہ چوری بدست آں نگاری نازنین دیدم　　بشاخ صندلیں پیچیدہ مار آتشیں دیدم (۱)

اور بہت فخر کے ساتھ ایک اہل زبان شاعر کو سنایا اس نے سنتے ہی ناک چڑھائی اور بجائے اس کے کہ تعریف کرتا یہ کہا کہ تم نے شعر کا ناس کردیا، نازنین دیدم آتشیں دیدم کیا ہے کہو۔

سیہ چوری بدست آں نگارے　　بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے (۲)

(۱) ''میں نے اس نازک اندام خوبصورت مہندی لگے ہوئے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی چوڑیاں دیکھیں، گویا شاخ صندلی پر لپٹا ہوا سانپ دیکھا'' (۲) ''اس نازنین کے ہاتھ میں سیاہ چوڑیاں گویا صندلی شاخ پر لپٹا ہوا سانپ''

اس اصلاح نے شعر کو کہیں پہنچا دیا۔ واقعی زبان کا لطف اہل زبان ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ غیر اہل زبان کو وہ لطف نہیں آتا۔

خاتمہ بر دعائے خیر

اچھا اب دعا کرو مولانا رومی کے لئے اور وعظ لکھنے والوں کے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی اور شارحین کے لئے بھی کہ خداوند تعالیٰ ہر غلطی سے بچائیں۔ آمین۔ (۱)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ وصلی اللّٰہ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه وبارك وسلم۔

---

(۱) اپنی دعا میں ان سب کے ساتھ محشی، اس کی اولاد اور اس وعظ کی کمپوزنگ کرنے والے، پروف ریڈنگ کرنے والے اور آپ تک پہنچانے والے تمام احباب کو بھی شریک فرمالیں۔

خلیل احمد تھانوی

۱۰ دسمبر ۲۰۱۵ء

طلباء دورہ حدیث کے لئے

زرّیں نصائح

شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی
مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

(۱) علم میں، مال میں اور جاہ میں اَنَا کے دعوےٰ سے بچیں، اپنے کو جس قدر مٹا سکتے ہوں مٹائیں۔

(۲) زندگی خادم بن کر گزاریں مخدوم بننے کا تصور ذہن سے نکالیں۔

(۳) مستحبات کو ذریعۂ وصول سمجھیں۔

(۴) صدقات کی عادت ڈالیں، خواہ قلیل ہی ہو۔

(۵) موجودہ علم پر ناز نہ کریں بلکہ ہمیشہ علم وعمل کی دعا کرتے رہیں۔

(۶) بڑوں کا ادب کریں اور چھوٹوں پر شفقت کریں۔

(۷) حاصل نعمتوں پر شکر کرتے رہیں اور پیش آمدہ مصائب پر صبر کرتے رہیں۔

(۸) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خواہ قلیل ہو، ہمیشہ کرتے رہیں۔

(۹) غیر شرعی سیاست سے ہمیشہ دور رہیں۔

(۱۰) علم روایت سے آتا ہے اور عمل رؤیت سے، اس لئے اعمال شرعیہ کو سیکھیں۔

تلك عشرة كاملة